بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

ذکر کی حقیقت

(۲)

سید جلال الدین عمری

اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے اور صبح و شام ہر وقت یاد کرنے کا حکم ہے ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کو
اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ	کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس
بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝	کی تسبیح کرتے رہو۔

(الاحزاب : ۴۱-۴۲)

نماز اور دوسری عبادات تو سراپا ذکر ہیں۔ شب و روز کے مختلف اوقات میں جن دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے وہ بھی ذکر کی مختلف شکلیں ہیں۔ آدمی جب زندگی کی اہم ذمہ داریاں ادا کر رہا ہو یا نازک مراحل اس کے سامنے ہوں تو ذکر کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے۔ اس طرح کے نازک اور اہم مواقع کی طرف قرآن و حدیث میں خصوصیت سے توجہ دلائی گئی ہے۔ ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

معاشی تگ ودو میں ذکر

زندگی کی تگ و دو اور ہمہ وقت مصروفیت میں ہر آن اس بات کا خطرہ لگا ہوا ہے کہ آدمی خدا کو بھول جائے، اس کے احکام کا پابند نہ رہے اور اس کی ہدایات کی خلاف ورزی کر بیٹھے لیکن اللہ کے نیک بندوں پر اس طرح کی غفلت طاری نہیں ہوتی۔ ان کی خوبی یہ بیان ہوئی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ	(اللہ کے گھروں میں) ایسے لوگ
لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ	ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت
الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ	اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے اور

یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ	زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں غافل کرتی۔ وہ اس دن
وَالْاَبْصَارُ ○	سے ڈرتے ہیں جس میں دل الٹنے لگیں گے اور
(النور: ۳۷)	آنکھیں پتھرا جائیں گی۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اللہ والے مادی ضروریات سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ دوسروں کی طرح انھیں بھی یہ ضروریات لاحق رہتی ہیں۔ البتہ وہ ان کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے۔ وہ اپنی معاشی تگ و دو میں بھی اسے یاد رکھتے ہیں۔ یہاں اللہ کو یاد کرنے کی تین شکلیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک ذکر، دوسری نماز اور تیسری زکوٰۃ۔ نماز اور زکوٰۃ کے متعین اوقات ہیں۔ لیکن ذکر ہر وقت ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے۔ یہی چیز آدمی کو معاشی جدوجہد میں اللہ کے احکام کا پابند بنا سکتی ہے اور وہ اس سے ڈر اور خوف کھا کر اس کے راستہ پر چل سکتا ہے۔

سورۂ جمعہ میں نماز جمعہ کے ذیل میں فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ	اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز
لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا	نماز کے لیے بلایا جائے (اذان دی جائے)
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ	تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید
خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○	فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ
(الجمعہ: ۹)	بہتر ہے اگر تم جانو۔

مطلب یہ کہ اذان کے بعد کاروبار بند کرو اور اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ یہاں ذکر سے نماز جمعہ مراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ	جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں
فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا	پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (معاش)
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا	کو تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الجمعہ: ۱۰)	کرتے رہو۔ امید ہے فلاح پاؤ گے۔

نماز جمعہ کی وجہ سے جو معاشی مصروفیت تھوڑی دیر کے لیے بند ہو گئی تھی نماز ختم ہونے کے بعد اسے دوبارہ شروع کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ مطلب یہ کہ معاشی تگ و دو میں آدمی اس طرح نہ گم ہو جائے کہ اللہ کو بھول جائے اور اس کی ہدایات کو فراموش کر بیٹھے بلکہ اسے ہر وقت یاد رکھے اور اسکے احکام کا پوری طرح پابند رہے۔

خاندانی مصروفیات میں ذکر

عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ بیوی بچوں اور مال و دولت کی محبت انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے۔ وہ ان کی خاطر بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود کو توڑ دیتا ہے۔ اس سے ان الفاظ میں باخبر کیا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ	اے ایمان والو! تمہارے مال اور
اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ	تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل
اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ	نہ کردے۔ جو لوگ ایسا کریں (غفلت میں
هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝ (المنافقون: ۹)	پڑ جائیں) وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

دعوتی جدوجہد میں ذکر

اسلام نے اپنے ماننے والوں پر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ وہ اس راہ میں اپنی توانائی صرف کرنے اور مصائب و تکالیف کے برداشت کرنے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ دنیا اللہ کے دین سے بے خبر نہ رہے اور ان کی دنیا اور آخرت تباہ نہ ہو۔ قرآن بتاتا ہے کہ اس عظیم ذمہ داری کے ادا کرنے کی طاقت اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے آدمی اس راہ میں ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ سورۂ مزمل کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ کی جو بھاری ذمہ داری عائد کی گئی تھی اس کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے۔

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ۝	بے شک آپ کے لیے دن میں بڑی
وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ	مصروفیت ہے آپ اپنے رب کے نام
تَبۡتِیۡلًا ۝ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ	کا ذکر کرتے رہیے اور سب سے کٹ کر اسی
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ	کے ہو رہیے۔ وہ مشرق و مغرب کا رب
وَكِیۡلًا ۝	ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کو اپنا
(المزمل: ۷-۹)	کارساز بنائیے۔

یہاں ذکر کے ساتھ 'تبتل' کا بھی حکم ہے۔ تبتل کے معنی انقطاع کے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کے ہو جائیں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا آپ کی توجہات

کا مرکز نہ ہو، آپ کی ساری امیدیں اسی سے وابستہ ہوں اور اسی کا خوف اور خشیت آپ پر طاری رہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کیفیت ذکر دوام ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے ان دونوں کو ایک ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔

فرعون اپنی سلطنت میں "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ بلند کر رہا تھا اور سرکشی اور بغاوت کی آخری حد کو پہونچ چکا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارون کو حکم ہوا کہ اسے اللہ کی بندگی کی دعوت دیں، اس پر راہ ہدایت واضح کریں اور اصلاح حال کے لیے کہیں اور اسے صاف صاف بتا دیں کہ اس کی موجودہ روش اسے تباہی سے ہم کنار کرے گی۔ اس مہم پر جانے کی ہدایت اس طرح دی گئی۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۴۲)

تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں کوتاہی نہ کرو۔

یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ذکر ہی سے تبلیغ دین کی قوت حاصل ہوگی اور اس میں جو نازک مراحل آتے ہیں ان میں آدمی ثابت قدم رہ سکے گا۔ اس زادِ راہ کے بغیر یہ عظیم مہم سر انجام نہیں دی جا سکتی۔

حالت جہاد میں ذکر

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو وقت ضرورت اللہ کی راہ میں جہاد کا حکم دیا ہے۔ جہاد اس بات کا اعتراف ہے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کا دین اس کی جان و مال سے زیادہ عزیز ہے اور وہ اس کے تحفظ، دفاع اور سربلندی کے لیے بلا تکلف ان کا نذرانہ پیش کر سکتا ہے۔ اتنا بڑا قدم اٹھانا آسان نہیں ہے۔ اس میں ہمت ٹوٹ سکتی ہے، جذبات بدل سکتے ہیں اور حدود سے تجاوز ہو سکتا ہے۔ ان سب سے بچنے اور خلوص کو باقی رکھنے کا واحد ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الانفال: ۴۵)

اے ایمان والو جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہو۔ امید ہے فلاح پاؤ گے۔

اسی وجہ سے میدان جنگ میں بھی نماز کا حکم ہے اور اس کا طریقہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (النساء: ۱۰۲) اس کے بعد فرمایا:۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا	جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو کھڑے
اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى	بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے
جُنُوْبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا	رہو اور جب اطمینان نصیب ہو تو نماز
الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ	قائم کرو (جیسا کہ حالت اطمینان میں نماز
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○	قائم کرنے کا حکم ہے) بے شک نماز اہل
(النساء: ۱۰۳)	ایمان پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے۔

نماز ذکر کی بہترین صورت ہے۔ اس کا ایک طریقہ بتا دیا گیا ہے۔ حالت جنگ میں یہ طریقہ حالت امن سے مختلف ہوگا۔ آدمی دشمن سے چوکنا بھی رہے اور خدا کی عبادت بھی انجام پاتی رہے۔ نماز کے متعین اوقات ہیں۔ ان اوقات میں وہ ضرور ادا کی جائے گی۔ ان کے علاوہ دیگر اوقات میں، چاہے میدان کارزار ہی کیوں نہ ہو ایک مومن خدا کے ذکر سے غافل نہیں ہو سکتا۔ یہی ذکر کامیابی کی کلید ہے۔

اب ہم ذکر سے متعلق بعض باتوں کی وضاحت کریں گے۔

ذکر کے حلقے

حدیث میں مساجد کو 'ریاض الجنۃ'، یعنی جنت کے باغ کہا گیا ہے اور ان میں تسبیح، تحمید اور تکبیر کی ترغیب دی گئی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ	جب تم جنت کے باغات میں جاؤ
فارتعوا قلت وما ریاض الجنۃ	تو خوب چرچگ لو۔ میں نے عرض کیا۔
قال المساجد قلت وما الرتع	جنت کے باغات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا
یارسول اللہؐ قال سبحان اللہ	مساجد میں نے عرض کیا ان میں چرنا چگنا
والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ	کیا ہے۔ ارشاد فرمایا سبحان اللہ، الحمد للہ
واللہ اکبر[1]	لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے رہنا۔

[1] ترمذی، ابواب الدعوات ص۱۸۹

ایک اور حدیث میں ذکر کے حلقوں کو 'ریاض الجنۃ' کہا گیا ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ	جب تم جنت کے باغات میں جاؤ
فارتعوا قالوا وما ریاض الجنۃ	تو خوب چر چگ لو۔ صحابہ نے عرض کیا
قال حِلَقُ الذکر[1]	جنت کے باغات کون سے ہیں۔ ارشاد فرمایا ذکر کے حلقے۔

ان احادیث سے جس طرح مساجد میں ذکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اسی طرح مساجد سے باہر بھی ذکر کے حلقوں یا مجالس ذکر کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔

اس حدیث اور اس نوعیت کی بعض دوسری احادیث سے صوفیا کے ایک طبقہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایسی مجلسیں قائم کی جا سکتی ہیں جن میں ان الفاظ اور کلمات کا ورد ہو جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا کے لیے قرآن و حدیث میں آئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے وظائف بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ البتہ اس کے شروط و آداب کی رعایت ہونی چاہیے۔ حالات اور زمانہ کے لحاظ سے بعض چیزیں ضروری ہو جاتی ہیں۔ دور رسالت کے بعد حالات میں جو تبدیلی آئی ان کے پیش نظر بعض بزرگوں نے اذکار و اوراد کے لیے حلقوں اور مجلسوں کے قیام کو مفید ہی نہیں ضروری بھی قرار دیا ہے[2]۔

اس ذیل میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ اس میں شک نہیں کہ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرام کی مجلسیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور ہوتی تھیں۔ یہ مجلسیں کبھی کبھی ہوتی تھیں اس دورِ مبارک میں ایسے مستقل حلقوں یا مجلسوں کا ثبوت نہیں ملتا جہاں اوراد پڑھے جاتے یا دعائیں کی جاتی ہوں۔

دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام کی مجلسیں صرف دعا یا اذکار ہی کے لیے نہیں بلکہ دوسرے بہت سے اہم دینی مقاصد کے لیے بھی ہوتی تھیں۔ ان میں دینی علوم کا سیکھنا سکھانا، اپنی اصلاح و تربیت پر غور کرنا اور خدا کے دین کی سربلندی کی فکر کرنا سب ہی کچھ شامل ہے۔ ان مقاصد کے لیے جو مجلسیں منعقد کی جائیں وہ بھی ذکر ہی کی مجلسیں ہیں۔ ان کی فضیلت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ یہاں ایک حدیث پیش کی جا رہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے[3]۔

اذا مررتم بریاض الجنۃ	جب تمہارا جنت کے باغات سے

---

[1] حوالہ سابق [2] عبدالحق محدث دہلوی: اشعۃ اللمعات ۳/۱۴۸

فارتعوا قالوا وما ریاض الجنۃ قال مجالس العلم[1]	گزر ہو تو خوب چر چگ لو۔ دریافت کیا گیا کہ جنت کے باغات کیا ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ علم کی مجلسیں۔

اوپر کی حدیثوں میں مساجد اور ذکر کے حلقوں کو جس طرح ریاض الجنۃ کہا گیا ہے اسی طرح اس حدیث میں مجالس علم کو ریاض الجنۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں علم کی وہ مجلسیں مراد ہیں جن میں قرآن، حدیث، فقہ اور حکمت و بصیرت کی تعلیم ہو۔ اس حدیث کے ایک راوی کا نام معلوم نہیں ہے اس وجہ سے اسے کمزور کہا گیا ہے لیکن ذکر کا جو وسیع مفہوم ہے اس کی تائید میں اسے پیش کرنا غلط نہ ہوگا۔ اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

اللہ سے قربت پیدا کرنے والے جو الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہیں اور دل میں جو تصورات آتے ہیں، چاہے وہ تعلیم و تعلم ہو یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو یہ سب ذکر میں شامل ہے لہٰذا جو شخص فرائض کے ادا کرنے کے بعد علم کی طلب میں مشغول ہو یا کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس سے دین میں فقہ و بصیرت پیدا ہوتی ہو یا اس فقہ کی تعلیم دے جسے اللہ اور اس کے رسول نے فقہ کہا ہے تو یہ بھی ذکر ہی ہے[2]

ذکر بلند آواز سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض خاص مواقع پر بآواز بلند تسبیح و تکبیر کا ثبوت موجود ہے۔ جیسے ایام حج میں تکبیر کہنا۔ اسی طرح سفر پر جاتے ہوئے یا واپسی میں، بلندی پر چڑھتے یا اترتے ہوئے اور میدان جنگ میں۔ اس طرح کے مواقع پر آپ نے اور صحابہ کرامؓ نے زور سے کلمات تسبیح و تکبیر ادا فرمائے ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض روایات یہاں پیش کی جارہی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جاتے

---

[1] رواہ الطبرانی عن ابن عباس فیہ رجل لم یسم۔ فیض القدیر ۴۴۲/۲

[2] فتاوٰی ابن تیمیہ ۶۶۱/۱۰ طبع جدید

وسلم کان اذا استوی علی
بعیرہ خارجا الی السفر کبّر
ثلاثا ثم قال سبحان الذی
سخرلنا ھٰذا وما کنا له
مقرنین وانّا الی ربنا لمنقلبون
اللھم انا نسألك فی سفرنا
ھٰذا البر والتقوی ومن
العمل ما ترضی اللھم
ھوّن علینا سفرنا ھٰذا
واطوعنّا بعدہ اللھم انت
الصاحب فی السفر والخلیفة
فی الاھل اللھم انی اعوذ
بك من وعثاء السفر
وکاٰبة المنظر و سوء
المنقلب فی المال والاھل
واذا رجع قالھن و زاد
فیھن آئبون تائبون
عابدون لربنا حامدون[1]

وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ تکبیر
کہتے پھر یہ دعا فرماتے سبحان الذی الخ
ہم پاکی بیان کرتے ہیں اس ذات کی جس
نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ہم
میں اس کے مسخر کرنے کی طاقت نہ تھی۔
بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر
جانے والے ہیں۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس
سفر میں سوال کرتے ہیں نیکی اور تقویٰ اور ایسے
عمل کا جس سے تو خوش ہو۔ اے اللہ ہمارے
لیے ہمارے اس سفر کو آسان کر دے اور
اس کی مسافت کو کم کر دے۔ اے اللہ سفر
میں تو ہی ساتھی ہے اور اہل و عیال میں
ہمارا جانشین ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے
پناہ کا طالب ہوں سفر کی مشقت سے اس
بات سے کہ کوئی بری چیز دیکھنی پڑے اور
مال اور اہل و عیال میں بری واپسی ہو۔ جب
سفر سے واپس ہوتے تو یہی دعا پڑھتے اور
اس میں یہ اضافہ فرماتے آئبون الخ ہم
لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں،
عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی
حمد و ثنا کرنے والے ہیں۔

اس حدیث میں سفر سے متعلق ایک عمومی بات کہی گئی ہے کہ اس کا آغاز اور واپسی تکبیر اور کن دعاؤں کے ساتھ ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کی ایک اور روایت میں سفر جہاد سے واپسی کا طریقہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

---

[1] مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الذکر اذا رکب دابة الخ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کان اذا اقفل کبّر ثلاثا قال
آئبون ان شاء اللہ تائبون
عابدون حامدون لربنا
ساجدون صدق اللہ
وعدہ ونصر عبدہ
وھزم الاحزاب وحدہ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر (جہاد) سے
واپس ہوتے تو تین مرتبہ تکبیر کہتے اور فرماتے
"آئبون الخ" انشاء اللہ ہم واپس ہوں گے ہم
توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اپنے
رب کی حمد کرنے والے اور سجدہ کرنے والے
ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے
بندہ کی مدد کی اور تنہا دشمن کے لشکروں
کو شکست دی۔

ایک اور روایت میں مزید تھوڑی سی تفصیل ملتی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اذا قفل من
الجیوش او السرایا او
الحج او العمرۃ اذا اوفیٰ
علیٰ ثنیۃ اوفد فدکبّر
ثلاثا ثم قال لا الہ الا
اللہ لا شریک لہ لہ الملک
ولہ الحمد وھو علیٰ کل
شیءٍ قدیر آئبون تائبون عابدون
ساجدون لربنا حامدون
صدق اللہ وعدہ ونصر
عبدہ وھزم الاحزاب
وحدہ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجی
کارروائی اور جنگ کے بعد لوٹتے یا حج
اور عمرہ سے واپس ہوتے تو جب کسی بلندی
پر چڑھتے یا سخت زمین سے گزرتے تو تین
مرتبہ تکبیر کہتے پھر فرماتے "لا الہ الخ" اللہ کے
سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک
نہیں، اقتدار اسی کا ہے، حمد و ثنا اسی کے
لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا
ہے۔ ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کرتے ہیں عبادت
کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اپنے رب کی
حمد کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر
دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور دشمن کے
لشکروں کو تنہا شکست دی۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب ما یقول اذا رجع من الغزو [2] مسلم، کتاب الحج، باب ما یقال اذا رجع من سفر الحج وغیرہ

كان النبي صلى الله عليه وسلم وجيوشه اذا علوا الثنايا كبروا واذا اهبطوا سبحوا [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے اترتے تو تسبیح کرتے ۔

ان احادیث میں سفر کے دوران مختلف مواقع پر تکبیر، تسبیح اور دعاؤں کا ذکر ہے۔ بظاہر یہ دعائیں زور سے پڑھی جاتی تھیں لیکن احادیث ہی سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ان مواقع پر بھی آواز کا بہت زیادہ بلند کرنا یا شور کی سی کیفیت پیدا کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب مدینہ کے قریب پہونچے تو زور سے تکبیر کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔

ايها الناس اربعوا على انفسكم انكم لا تدعون اصم ولا غائبا انكم تدعون سميعا بصيرا وهو معكم والذى تدعونه اقرب الى احدكم من عنق راحلته [2]

اے لوگو! اپنے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرو (اور اپنی آواز ہلکی کرو اس لیے کہ) تم کسی بہرے یا غائب کو آواز نہیں دے رہے ہو بلکہ جس ہستی کو تم بلا رہے ہو وہ سمیع وبصیر ہے۔ جسے تم بلا رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں ۔

ففيه الندب الى خفض الصوت بالذكر اذا المتدع حاجة الى رفعه فانه اذا خفضه كان ابلغ فى توقيره وتعظيمه فان دعت حاجة الى

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ذکر میں آواز بلند کرنے کی حاجت نہ ہو تو اس کا پست رکھنا مندوب و مستحسن ہے۔ اس لیے کہ اس سے اس کی توقیر و تعظیم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہاں اگر آواز بلند کرنے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب مایقول الرجل اذا سافر

[2] بخاری، دعوات، الدعاء اذا علی عقبة، مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر الا فی المواضع التی ورد الشرع برفعه فیها الخ

الرفع رفع کملجاوت به اعادیث[۱] کی ضرورت ہو تو بلند بھی کی جاتی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فرض نماز کے بعد زور سے تکبیر کہی جاتی تھی سب مجھے نماز کے ختم ہونے کا علم اسی وقت ہوتا تھا جب صحابہ کرام تکبیر کہتے تھے[۲]۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ دور رسالت میں کم سن تھے اس وجہ سے ہو سکتا ہے جماعت میں شریک نہ ہوتے ہوں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ آخر میں بچوں کی صف میں رہتے ہوں اور سلام کی آواز ان تک نہ پہونچتی ہو[۳]۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ سلف میں سے بعض کے نزدیک فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا یا ذکر کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ متاخرین میں ابن حزم ظاہری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن ابن بطال اور دوسرے اہل علم نے بیان کیا ہے کہ وہ تمام فقہی مسالک جن کی اتباع کی جاتی ہے اس بات پر متفق ہیں کہ (نماز کے بعد) بآواز بلند ذکر اور تکبیر مستحب نہیں ہے امام شافعی نے حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ آپ نے چند دن بآواز بلند ذکر کیا تاکہ صحابہ کو ذکر کے طریقہ کی تعلیم دیں۔ صحابہ کرام نے اس پر مستقل عمل نہیں کیا۔ فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک امام اور ماموم دونوں کے لیے پسندیدہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد آہستہ سے ذکر کریں ہاں اگر امام تعلیم دینا چاہے تو زور سے ذکر کر سکتا ہے۔ لیکن جب اسے یقین ہو جائے کہ لوگ سیکھ چکے ہیں تو وہ پھر ذکر خاموشی سے کرے[۴]۔

بعض احادیث کی توضیح

ذکر سے متعلق بعض روایات کا موقع و محل اور ان کا صحیح مفہوم واضح نہ ہونے کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح کی بعض روایات کا معنی و مفہوم بیان کرنے کی یہاں

---

[۱] نووی شرح مسلم جلد ۶ جزء ۱۷ ص ۲۶ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۸۷ء

[۲] بخاری کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ

[۳] فتح الباری: ۳/۲۲۰ [۴] نووی: شرح مسلم، جلد ۲ جزء ۵ ص ۸۴

کوشش کی جائے گی حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا
الا انبئکم بخیر اعمالکم	میں تمہیں بتاؤں کہ وہ عمل کون سا ہے جو تمہارے
وازکاھا عند ملیککم	اعمال میں سب سے بہتر تمہارے رب کے نزدیک سب سے
وارفعھا فی درجاتکم وخیر	پاکیزہ اور تمہارے درجات میں سب سے اونچے درجہ کا ہے
لکم من انفاق الذھب	اور جس کا کرنا تمہارے لیے سونے اور چاندی
والورق وخیر لکم من ان	کے خرچ کرنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے سے
تلقوا عدوکم فتضربوا	جس میں تم اس کی گردن مارو اور وہ تمہاری
اعناقھم ویضربوا اعناقکم	گردن ماریں، بہتر ہے۔ صحابہ نے عرض
قالوا بلی قال ذکر اللہ[1]	کیا ضرور بیان فرمائیے۔ آپ نے ارشاد
	فرمایا۔ وہ ہے اللہ کا ذکر۔

یہ صحیح حدیث ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کا مقام خدا کی راہ میں اپنی دولت لٹانے اور جہاد کرنے سے بھی اونچا ہے۔ یہ انسان کا سب سے ارفع و اعلیٰ عمل ہے۔ اس سے بہتر کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ اگر ذکر سے صرف اوراد و وظائف مراد لیے جائیں تو ظاہر ہے یہ مفہوم صحیح نہیں ہوگا۔ پھر اس کا صحیح مفہوم کیا ہے ؟ محدثین نے اس سلسلہ میں جو کہا ہے اسے ہم اپنی زبان میں پیش کریں گے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کے لحاظ سے کبھی ایک بات کو اور کبھی دوسری بات کو نمایاں کیا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ یہاں بھی مخاطب کے لحاظ سے ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہو۔ اسے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے کسی بہادر اور شجاع شخص سے، جس سے میدان جہاد میں اسلام کو فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ کہا جائے کہ جہاد سب سے افضل ہے یا ایک شخص دولت مند ہے اور اس کی دولت سے غریبوں کو فائدہ پہونچ سکتا ہے، اس سے کہا جائے کہ صدقہ سب سے افضل ہے۔ اسی طرح

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات ص۱۷۳۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الذکر۔ موطأ مالک کتاب القرآن، باب ماجاء فی ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ۔

جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لیے حج کا ادا کرنا افضل ہوگا اور جس کے والدین خدمت کے مستحق ہیں اس کے لیے ان کی خدمت سب سے زیادہ فضیلت کا باعث ہو گی۔ اس طرح اعمال کی فضیلت سے متعلق مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے[۱]

۱؎ یہاں ایک مثال سے اس کی وضاحت کی جارہی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔

قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مایعدل الجہاد فی سبیل اللہ عزوجل قال لا تستطیعونہ قال فاعادوا علیہ مرتین او ثلاثا کل ذالک یقول لا تستطیعونہ وقال فی الثالثۃ مثل المجاہد فی سبیل اللہ کمثل الصائم القائم القانت بآیات اللہ لا یفتر من صیام ولا صلاۃ حتی یرجع المجاہد فی سبیل اللہ تعالیٰ (بخاری، کتاب الجہاد باب فضل الجہاد والسیر، مسلم کتاب الجہاد باب فضل الشہادہ فی سبیل اللہ واللفظ لمسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ وہ کونسا عمل ہے جو جہاد کے برابر ہو؟ آپ نے فرمایا وہ عمل تم کر نہیں سکتے صحابہ نے یہی سوال دو تین مرتبہ دہرایا آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ تم وہ عمل کر نہیں سکتے تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دن میں روزہ رکھے رات میں قیام کرے اور اس کی اطاعت اور آیات کی تلاوت میں مسلسل لگا رہے اور اپنے روزہ اور نماز کو مجاہد کے واپس ہونے تک ختم نہ کرے

امام نووی فرماتے ہیں" اس حدیث سے جہاد کی زبردست فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ نماز روزہ اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے قیام کرنا اعمال میں سب سے افضل ہیں آپ نے مجاہد کو اس شخص کے مانند قرار دیا ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی ان اعمال کو ترک نہ کرے ظاہر ہے کہ یہ کسی کے بس میں نہیں ہے۔ (نووی، شرح مسلم ج ۶ جز ۱۳ صفحہ ۲۵)

جہاد کا ایک موقع و محل ہے جس میں وہ ذکر و اذکار، تہجد اور نفل روزوں سب سے افضل ہے۔ اس سے ہٹ کر ان اعمال کی فضیلت اپنی جگہ باقی رہے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بات مخاطب کے لحاظ سے تو زیادہ اہمیت رکھتی ہے لیکن وہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بیان کرتی کہ وہ ہر حال میں اور ہر شخص کے لیے اسی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا تعین پورے دین کے سیاق وسباق میں کیا جائے گا۔ ذکر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کی صحیح حیثیت کا تعین پورے دین کے مجموعی نظام کی روشنی میں ہوگا۔

ذکر دراصل روحِ شریعت ہے۔ شریعت کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ اس پہلو سے ذکر ہر چیز سے افضل ہے۔ غلط فہمی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ زبان سے محض اوراد واذکار کے ادا کرنے ہی کو سب سے برتر عمل سمجھ لیا جائے۔ اس سے دوسرے بے شمار اعمال کی اہمیت ختم ہو جائے گی جنھیں خود شریعت نے اہمیت دی ہے۔[۱]

اسی نوعیت کی ایک روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای العباد افضل درجۃ عند اللہ یوم القیامۃ قال الذاکرین اللہ کثیرا قال قلت یا رسول اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ قال لو ضرب بسیفہ فی الکفار والمشرکین حتیٰ ینکسر ویختضب دما لکان الذاکرین اللہ کثیرا افضل منہ درجۃ[۲]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے اونچا مقام کس کا ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی ان کا درجہ اونچا ہوگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ اپنی تلوار کفار اور مشرکین پر چلائے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور وہ شخص خون آلود ہو جائے تو بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے بلند ہوگا۔

---

[۱] اس حدیث کی شرح کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی علی الموطا ۱/۳۷۸ - ۳۷۹ نیز فتح الباری ۱۱/۱۶۲

[۲] قال الترمذی ہٰذا حدیث غریب انما نعرفہ من حدیث درّاج ۔ ابواب الدعوات ص۱۷۳ درّاج کی یحییٰ بن معین

سند کے لحاظ سے یہ ایک ضعیف روایت ہے۔ اگر اس کے ضعف کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کا مفہوم وہی ہوگا جو اوپر کی حدیث کا بیان ہوا ہے۔

دل و دماغ پر اللہ کے ذکر کا چھا جانا، قلب کا اس سے متاثر ہونا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا جاری ہو جانا قابلِ تعریف بات ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کے ذکر سے اہلِ ایمان کے دل دہل جاتے ہیں (وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ) حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ سات قسم کے انسانوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز، جب کہ کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا اپنے عرش کے نیچے سایہ عطا فرمائے گا۔ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ایک کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ [1]	ایک وہ شخص جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی دونوں آنکھیں اشک بار ہو گئیں

اللہ کے ذکر کے بارے میں یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ اس سے آدمی ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور اس پر جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید میں جو روایات ملتی ہیں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون [2]	اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ مجنون ہے۔

یہ حدیث ایک تو کم زور ہے، دوسرے یہ کہ اللہ کے ذکر سے دل و دماغ کو روشن ہونا

= اور علی بن مدینی نے توثیق کی ہے اور بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں اس سے روایت بھی کی ہے۔ لیکن امام احمد نے اس کی روایات کو 'منکر' قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے اسے کبھی ضعیف اور کبھی منکر الحدیث کہا ہے۔ یعنی اس کی روایت کی کوئی دوسرا قابلِ اعتبار راوی تائید نہیں کرتا۔ دارقطنی اور ابو حاتم نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[1] بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد الخ۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اخفاء الصدقہ

[2] قال المنذری رواہ احمد وابو یعلی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد۔ الترغیب والترہیب: ۲/ ۳۹۹۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے لیکن اس کا ایک راوی وہی درّاج ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ اس لیے حدیث ضعیف ہے۔ قال الہیثمی بعد ما عزاہ لاحمد وابی یعلی فیہ درّاج ضعفہ جمع وبقیۃ رجال احد اسنادی احمد ثقات۔ فیض القدیر: ۲/ ۸۵

چاہیے ذکر کے پاکیزہ تصور سے یہ بات میل نہیں کھاتی کہ آدمی دین و دنیا کا ہوش کھو دے اور اس پر غفلت اور بے خبری کا عالم طاری ہو جائے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ صحابہ کرام جو سب سے بڑے ذاکر تھے ان کی مقدس زندگیوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ وہ دنیا کے سب سے زیادہ باہوش اور اصحاب دانش و بینش تھے۔

ایک حدیث میں ذکر کی ترغیب ان الفاظ میں دی گئی ہے۔

اذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون انکم تراؤن[1] — اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافقین کہنے لگیں کہ یہ دکھاوے کے لیے کر رہے ہیں۔

یہ ایک ضعیف روایت ہے۔ ذکر کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے اس طرح کی ضعیف روایات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے غلط تصور ابھرتا ہے۔ اس کی فضیلت کے لیے صحیح احادیث بہت کافی ہیں۔

---

[1] رواہ الطبرانی ورواہ البیہقی مرسلا۔ الترغیب والترہیب: ۲۹۹/۲۔ بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ التیسیر لشرح الجامع الصغیر: ۱۲۵/۱

اعلان ملکیت سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ فارم ۴ رول ۹

۱۔ مقام اشاعت: پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ یوپی
۲۔ نوعیت اشاعت: سہ ماہی
۳۔ پرنٹر پبلشر: سید جلال الدین عمری
۴۔ قومیت: ہندوستانی
پتہ: پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔ یوپی
۵۔ ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری
پتہ: پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ، یوپی
۶۔ ملکیت: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی
پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ، یوپی
بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی
(۱) مولانا محمد فاروق خاں (صدر) ۱۳۵۲، بازار چتلی قبر، دہلی ۶
(۲) جناب سید یوسف (رکن) "
(۳) ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی۔ فریدی ہاؤس سرسید نگر علی گڑھ
(۴) جناب امین الحسن رضوی (رکن) ہمدرد نگر۔ نئی دہلی۔
(۵) ڈاکٹر محمد رفعت۔ شعبۂ فزکس، جامعہ ملیہ۔ نئی دہلی۔
(۶) مولانا کوثر یزدانی ۱۳۵۲۔ بازار چتلی قبر۔ دہلی۔
(۷) پی۔ کے عبداللہ صاحب الاتھن کنڈی ہاؤس زیری کوئکٹ
(۸) ڈاکٹر حمید اللہ۔ مزمل منزل کمپلیکس۔ علی گڑھ
(۹) ڈاکٹر احمد سجاد۔ بریاتو ہاؤسنگ سوسائٹی، کالونی حارق منزل رانچی
(۱۰) مولانا سید حامد علی۔ میران پور کٹرہ شاہجہاں پور۔ یوپی
(۱۱) سید جلال الدین عمری (سکریٹری)
پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔

مندرجہ معلومات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر: سید جلال الدین عمری